مکاتیب

(۱)

برادرم مولانا زاہد اقبال صاحب

السلام علیکم مزاج گرامی؟

آپ کی کتاب ''اسلامی نظام خلافت'' میں نے دیکھ لی ہے اور اس پر تقریظ بھی لکھ دی ہے، مگر میں اس سلسلہ میں بعض تحفظات رکھتا ہوں جو الگ درج کر رہا ہوں۔ انہیں غور سے دیکھ لیں اور اگر میری گزارشات آپ کے ذہن میں آ جائیں تو متعلقہ مقامات کا از سر نو جائزہ لے لیں۔

۱۔ کتاب قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے علمی ذخیرے کی بنیاد پر لکھی گئی ہے اور آج کے عالمی حالات اور معروضی حقائق کی طرف توجہ نہیں دی گئی جس کی وجہ سے میری رائے یہ ہے کہ اگر خلافت کا نظام آج سے دو سو سال قبل کے ماحول میں قائم کرنا ہے تو اس کے لیے یہ کتاب کافی ہے، لیکن اگر آج کی دنیا میں خلافت کے نظام کی بحالی مقصود ہے تو یہ مواد اور تجزیے قطعی طور پر ناکافی ہیں اور یہ موجودہ مسائل کا حل پیش نہیں کرتے۔

۲۔ خلافت کے لیے سنت کے حوالے سے معیار قائم کرنے میں جو حوالہ پیش کیا گیا ہے، وہ بہت بہتر ہے، لیکن اس کے لیے مسلم شریف کی یہ روایت بھی شامل کر لی جائے تو زیادہ بہتر ہوگی کہ ''تمہارے اچھے حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور تمہارے برے حکمران وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں''۔ میرے نزدیک اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم ہونا اور باقی رہنا ضروری ہے اور اس کے لیے عملی طور پر حالات کے تحت کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ انعقاد خلافت کا ایک صورت میں صرف ''ارباب حل وعقد'' کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔ امامت وخلافت کے بارے میں اہل سنت اور اہل تشیع کا بنیادی اختلاف ہی یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ منصوص ہے جو نامزدگی اور خاندان کی بنیاد پر طے ہوتا ہے جبکہ ہمارے نزدیک خلافت نہ منصوص ہے اور نہ ہی خاندانی ہے، بلکہ اسے امت کی صوابدید اور اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے اور امت سے مراد امت ہے، صرف ''اہل العقد والحل'' نہیں ہیں۔ آپ نے خود حضرت عمرؓ کے ارشاد میں ''عن غیر مشورۃ من المسلمین'' کا جملہ نقل کیا ہے، اس لیے خلیفہ کا انتخاب پوری امت کا حق ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خطبہ کو بخاری شریف میں دیکھیں تو اس میں یہ جملہ بھی ملے گا کہ جو لوگ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر خلیفہ کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں، وہ ان کے حقوق اور اختیارات کو غصب کرنا چاہتے ہیں۔

۴۔ خلافت کے نظام میں صرف شوریٰ نہیں، بلکہ نمائندگی بھی ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے قیدیوں کی واپسی کے لیے بارہ ہزار پر مشتمل اسلامی لشکر کی اجتماعی رائے کو کافی نہیں سمجھا تھا، بلکہ ''نقبا'' کے ذریعہ ان کی رائے الگ الگ طور پر معلوم کی تھی، اس لیے جہاں علمی مسائل کی بات ہوگی، وہاں شورائیت کے نظام میں وہ تمام افراد حصہ دار ہوں گے جن کے حقوق حکومتی فیصلوں اور اقدامات سے منسلک ہوں گے۔ بخاری شریف میں اس حوالہ سے تفصیلی روایت موجود ہے، اسے توجہ سے دیکھ لیں۔

۵۔ خلافت کے لیے تسلط کو ''نظریہ ضرورت'' کے تحت ذریعہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اگر کسی وقت ایسا ہو جائے تو فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے اسے قبول کر لیا جائے گا، لیکن اسے ایک مستقل طریق انتخاب اور انعقاد خلافت کے ایک باقاعدہ ذریعہ کے طور پر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ بالخصوص آج کے دور میں ایک مستقل ''طریقہ انعقاد خلافت'' کے طور پر پیش کریں گے تو اس سے کسی متفقہ خلیفہ کا انتخاب تو ممکن نہیں رہے گا، البتہ عالم اسلام میں اس حوالے سے سو ڈیڑھ سو مقامات پر خانہ جنگی ضرور ہو جائے گی۔

۶۔ میرے نزدیک آج کے دور میں خلافت کے انعقاد کی صرف ایک ہی صورت عملاً ممکن ہے کہ عالم اسلام میں آٹھ دس مقامات پر اسلامی امارتیں قائم ہوں جن کی بنیاد شوریٰ اور نمائندگی پر ہو۔ وہ انہی دو بنیادوں پر آپس میں کنفیڈریشن قائم کر کے اپنے اوپر خلافت کا ادارہ قائم کر لیں اور اس کے حق میں ضروری اختیارات سے دست برداری اختیار کر کے باہمی مشورہ سے امیر المومنین کا انتخاب کر لیں۔ اس کے سوا آج کے دور میں اسلامی خلافت کے قیام کی کوئی صورت عملاً ممکن نہیں ہے۔

۷۔ خلافت کے لیے قریشیت کی شرط کو میں بھی ضروری نہیں سمجھتا، لیکن اس کے لیے آپ نے اولوالامر کے غیر قریشی ہونے سے جو استدلال کیا ہے، وہ بے محل ہے، اس لیے کہ قریشی ہونے کی شرط کی بحث صرف خلیفہ کے لیے ہے۔ اس کے ماتحت اولوالامر کے لیے قریشی ہونے کو کسی نے بھی شرط قرار نہیں دیا۔

۸۔ آپ نے ایک طرف ''غلام'' کو خلیفہ کے انتخاب کے لیے رائے دینے کے حق سے محروم کر دیا ہے اور دوسری طرف استعمل علیکم عبد یقود کم بکتاب اللہ کی روایت بھی نقل کر دی ہے۔ اس تعارض کا آپ کے پاس کیا حل ہے؟ اگر اسے شرعاً یہ دونوں حق حاصل ہیں تو اسے اس نظام میں کسی نہ کسی درجہ میں شریک کرنے کے لیے آپ کو راستے نکالنا پڑیں گے۔

۹۔ اقوام متحدہ عالم اسلام پر (غلط یا صحیح) جو حکمرانی کر رہی ہے، وہ یکطرفہ اور جبری نہیں ہے بلکہ ایک معاہدہ کے تحت ہے جس میں ہم باضابطہ طور پر شریک ہیں اور اس سے نکلنے کا مکمل اختیار رکھتے ہیں، اس لیے اس کی ساری ذمہ داری اقوام متحدہ پر ڈال دینا مناسب نہیں ہے۔

۱۰۔ نیز بین الاقوامی معاملات کے بارے میں بھی ہمیں کوئی اصول قائم کرنا ہوگا۔ جو بین الاقوامی معاہدہ ہمارے اقتدار اعلیٰ اور قرآن وسنت کے منصوص احکام کے منافی ہے، اسے ہمیں کلیتاً مسترد کر دینا چاہیے بلکہ اس میں شامل ہونا بھی غلط ہے، لیکن جو معاملات ہماری خود مختاری کی نفی نہیں کرتے اور قرآن وسنت کے کسی صریح اور منصوص حکم کے منافی

بھی نہیں ہیں، انہیں یکسر مسترد کر دینا درست نہیں ہوگا۔ تلك عشرة كاملة

ابوعمار زاہد الراشدی

۱/۱۱/۲۰۰۶

(۲)

مولانا عمار خان ناصر حفظہ اللہ تعالیٰ

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر

آپ نے اپنے لبنان کے سفر نامے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے کہ رافضی کے پیچھے نماز جائز ہے۔ برائے کرم اس کا حوالہ اگر میسر ہو جائے تو بندہ آپ کا ممنون ومشکور ہوگا۔

(حافظ) محمد فرقان انصاری۔ ٹنڈو آدم

(۳)

مکرمی محمد فرقان انصاری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

متعلقہ حوالہ حسب ذیل ہے:

واما الصلاة خلف المبتدع فهذه المسالة فيها نزاع وتفصيل فاذا لم تجد اماما غيره كالجمعة التى لا تقام الا بمكان واحد وكالعيدين وكصلوات الحج خلف امام الموسم فهذه تفعل خلف كل بر وفاجر باتفاق اهل السنة والجماعة وانما تدع مثل هذه الصلوات خلف الائمة اهل البدع كالرافضة ونحوهم ممن لا يرى الجمعة والجماعة، اذا لم يكن فى القرية الا مسجد واحد فصلاته فى الجماعة خلف الفاجر خير من صلاته فى بيته منفردا لئلا يفضى الى ترك الجماعة مطلقا واما اذا امكنه ان يصلى خلف غير المبتدع فهو احسن وافضل بلا ريب لكن ان صلى خلفه ففى صلاته نزاع بين العلماء ومذهب الشافعى وابى حنيفة تصح صلاته واما مالك واحمد ففى مذهبهما نزاع وتفصيل وهذا انما هو فى البدعة التى يعلم انها تخالف الكتاب والسنة مثل بدع الرافضة والجهمية ونحوهم (مجموع الفتاوی، ۲۳/۳۵۵، ۳۵۶)

”بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنے کے مسئلے میں کچھ اختلاف اور تفصیل ہے۔ اگر تو بدعتی کے علاوہ کوئی دوسرا امام میسر ہی نہ ہو، مثلاً جمعے کی نماز جو صرف ایک ہی جگہ ادا کی جاتی ہو یا عیدین کی نماز یا ایام حج میں حج کے امام کے پیچھے ادا کی